افغانستان کی اسلامی تحریک

شدید آزمائشوں کے نرغے میں

ترجمہ، خلیل حامدی صاحب

(یہ مضمون عربی ماہنامہ الغرباء کے شمارۂ فروری ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا ہے، جو لندن سے مسلم سٹوڈنٹ سوسائٹی کے زیرِ اہتمام نکلتا ہے۔ مضمون نگار افغانستان کا ایک نوجوان ہے جس کا نام الغرباء میں شائع نہیں کیا گیا تاکہ اُس کے ملک میں اُس کی شامت نہ آجائے۔ خ ح)

افغانستان میں اسلامی تحریک پہلی مرتبہ ۱۹۶۸ء میں منظم طور پر کھلم کھلا منظرِ عام پر آئی۔ اس نے کابل یونیورسٹی کو اپنی تگ و تاز کا بنیادی مرکز قرار دیا۔ "شب نامۂ جہاد" کے عنوان سے اُس نے اپنا سب سے پہلا منشور جاری کیا۔ یہ منشور عوام الناس میں اور علی الخصوص یونیورسٹی کے نوجوان طلبا میں خفیہ طریقے سے تقسیم کیا گیا۔ اس میں تحریک کے اغراض و مقاصد اور اُسے قائم کرنے کے وجوہ اور دعوت کے اصول و اسالیب بیان کیے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب افغانستان بالعموم اور طلبہ کے حلقے بالخصوص بائیں بازو کی تحریکوں اور شورشوں سے لرز رہے تھے۔ ان تحریکوں نے صرف جامعۂ کابل ہی کو نہیں تمام تعلیمی اداروں کو اپنی تخریب کاریوں کی آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ اُن دنوں طلبا کی طرف سے جتنے مظاہرے کیے جا رہے تھے اور جو کچھ مہمیں چلائی جا رہی تھیں ان کی قیادت انہی بائیں بازو کی تحریکوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور جامعۂ کابل اور افغانستان کے تمام مدارس میں ہر نوع کی سرگرمیوں پر ان کا مکمل قبضہ تھا۔ کوئی بھی گروہ یا ادارہ یہ ہمت نہ پا رہا تھا کہ اس سیلاب بلا کو روکے۔ جو کچھ وہ تحریکیں چاہتی تھیں بلا روک ٹوک اُسے نافذ کر دیتی تھیں۔ اُن کے پاس ماسکو سے، پیکنگ سے، مشرقی جرمنی سے اور دوسرے اشتراکی ممالک سے ڈھیروں لٹریچر پہنچ رہا تھا اور وہ اُسے وسیع پیمانے پر نوجوانوں کے اندر پھیلا رہی تھیں اور بھرپور طریقے سے نسلِ نو کے ذہن و فکر کو مسموم کر رہی تھیں۔ ان کے پاس جملہ مادی اور مالی وسائل بے پناہ حد تک موجود تھے۔ پروپگنڈے کے اثرات اور مال و زر کی چمک دمک سے کمزور ایمان اور ضعیف اخلاق

کے لوگ اور مال و جاہ کے بھوکے کثیر تعداد میں ان تحریکوں میں شامل ہوتے چلے گئے۔ حالت یہ ہوگئی کہ کوئی بھی مخالف رجحان اُن کے سامنے دم نہ مار رہا تھا۔ اور علی الخصوص طلباء کے حلقوں میں کوئی آواز اُن کے آگے نہ اُٹھ سکتی تھی۔

ان حالات میں اسلامی تحریک کے نوجوان اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے میدان میں اُتر آئے۔ اُن کی زبان پر صرف ایک فقرہ تھا اور وہ یہ تھا: "حسبنا الله ونعم الوکیل"۔ تحریک کے ابتدائی ایّام میں جن لوگوں نے اس میں کسی حیثیت سے حصّہ لیا ان کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں سے متجاوز نہ تھی۔ ان دنوں بائیں بازو کی تحریکیں اپنی قوّت کی بھرپور نمائش کر رہی تھیں اور موقع و بے موقع جلوس نکال رہی تھیں۔ اسلامی تحریک نے بھی پہلی مرتبہ ۶ر اگست ۱۹۶۸ء کو ایک جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا۔ جلوس نکالنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ شرکائے جلوس نے جو بینر اُٹھا رکھا تھا وہ ایک سبز کپڑا تھا جس پر کلمۂ طیّبہ لکھا ہوا تھا۔ یہ جلوس دوسرے جلوسوں اور جلسوں سے الگ ایک جگہ جا کر کھڑا ہو گیا اور دوسرے جلوسوں کے لاؤڈ اسپیکروں کی گونج اور بائیں بازو کے لیڈروں کے حق میں تالیاں بجانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کے شور و غل میں اسلامی تحریک کے مظاہرے کی یہ پہلی صدا نقار خانے میں طوطی کی آواز سے زیادہ نہ تھی۔ چنانچہ نوجوان اس ضعیف مظاہرے پر پھبتیاں اُڑاتے رہے اور طرح طرح کے آوازے کستے رہے۔ لیکن تحریک اس طرح کی باتوں سے قطعاً متاثر نہ ہوئی اور اُس نے مظاہروں کا سلسلہ جاری رکھا۔ جس روز بائیں بازو کے لوگ کوئی مظاہرہ کرتے اُسی روز اسلامی تحریک کی طرف سے بھی اسلامی جذبات کے اظہار کے لیے جلوس نکال دیا جاتا۔ یوں یہ تحریک روز بروز طاقتور ہوتی گئی اور آخر وہ دن آگیا جب یہ نہ صرف جامعۂ کابل میں بلکہ جامعہ کے باہر بھی ایک بڑی طاقت بن گئی۔ بائیں بازو کے لوگ اپنے تمام وسائل لے کر اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے سرگرمِ عمل ہو گئے۔ مختلف حکومتیں ان کی پشت پناہی کر رہی تھیں لیکن ان کی تمام کاوشیں ناکام ہوتی رہیں۔ اسلامی تحریک جامعہ کابل پر بھی چھا گئی، دوسرے مدارس اور اداروں پر بھی اُس کو غلبہ حاصل ہو گیا، اور اُس نے مختصر سے عرصہ میں عوام کے دلوں کے اندر بھی گھر کر لیا۔ ۱۹۷۰ء میں جامعۂ کابل کے اندر یونین کے جو انتخابات ہوئے ان میں اسلامی تحریک نے بڑے بڑے حریفوں کو چت کر دیا اور پچاس نشستوں میں سے چالیس نشستوں پر قبضہ کر لیا۔ اسی سال کی بات ہے کہ افغانستان پولیس نے جامع پل خشتی کے علماء پر حملہ کیا، انہیں جامع سے باہر نکال دیا اور جامع کو پولیس سنٹر میں تبدیل کر دیا۔ افغانستان کی حکومت نے اس قضیے میں سخت تغافل برتا۔ اسلامی تحریک کے نزدیک یہ ایک خالص مذہبی مسئلہ تھا چنانچہ تحریک نے پولیس کی زیادتی اور حکومت کی سرد مہری

کے خلاف کابل میں ایک زبردست مظاہرہ کیا جس میں دس ہزار سے زائد نوجوان شریک ہوئے۔ اس مظاہرے نے حکمرانوں پر یہ ثابت کر دیا کہ افغانستان کے نوجوانوں کی اکثریت اسلام کی شیدائی ہے اور کمیونزم اور الحاد کے داعی محض بیرونی طاقتوں کی شہ پر افغانستان میں خلفشار برپا کر رہے ہیں۔

اسلامی تحریک اپنی دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ فکر و نظر کے لیے جن کتابوں سے زیادہ تر استفادہ کرتی رہی وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، استاذ شہید قطب اور محمد قطب اور بعض دیگر اسلامی رہنماؤں کی تصانیف ہیں۔ تحریک کے فعال ارکان کی تعداد اس وقت ایک ہزار سے زائد ہے۔ رہے حامی اور مددگار تو وہ بحمداللہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ تحریک کا رسمی نام حرکت نوجوانانِ اسلام ہے۔ البتہ بائیں بازو کے عناصر اور خود حکومت کے لوگ بھی اس تحریک کو "اخوان المسلمون" کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد تحریک کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈے کی ترویج ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تحریک ہمیشہ اخوان المسلمون اور دوسری اسلامی تحریکوں کی حمایت میں آواز اٹھاتی رہی ہے اور خاص طور پر اخوان المسلمون کے خلاف جو غلط پروپیگنڈا کیا جاتا رہا ہے اس کی تردید کرتی رہی ہے۔

افغانستان کے حالیہ داؤدی انقلاب سے پہلے اسلامی تحریک کی تمام تر توجہ نوجوانوں کی اسلامی تربیت پر مرکوز تھی۔ چنانچہ تحریک کے زیرِ اہتمام مسجدوں میں اور دوسری مناسب جگہوں پر حلقہ ہائے درس قائم کیے جاتے تھے۔ ان میں قرآن و حدیث اور فقہ و سیرت پر مشتمل تقریریں اور وعظ کیے جاتے تھے۔ جمعہ کے روز مختلف مسجدوں میں تحریک اپنے مقررین بھیجتی تھی جو عوام الناس کے سامنے جذبہ انگیز تقریریں کرتے اور انہیں دین کی پابندی کی دعوت دیتے اور ملک کے اندر کمیونزم کے نفوذ کے خطرات سے انہیں آگاہ کرتے تھے۔ تحریک کی طرف سے جگہ جگہ دارالمطالعے بھی قائم کیے گئے اور پمفلٹ اور بیانات چھاپ کر بھی ملک کے گوشے گوشے میں تقسیم کیے جاتے رہے۔ افغانستان کے اندر علمائے دین ایک بڑی طاقت رکھتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہ عظیم طاقت جمود کی شکار تھی۔ تحریک نے علماء سے رابطہ قائم کیا اور انہیں متحرک کیا اور ان کی اس بے پناہ مگر خفیہ طاقت کو سرگرمِ عمل کیا۔ چنانچہ افغانستان کے جلیل القدر اور مشہور و معروف علماء کی اچھی خاصی تعداد تحریک میں شامل ہوگئی یا اس کی مؤید بن گئی۔

افغانستان کی اسلامی تحریک کا راستہ سنگین رکاوٹوں سے پٹا ہوا ہے۔ آغازِ کار سے لے کر آج تک اُسے لامحدود مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا مقابلہ اُن تخریبی تحریکوں سے ہے جو ہر طرح کے وسائل و اسباب سے لیس ہیں۔ جبکہ اسلامی تحریک تہی دست ہے، اور اسبابِ ظاہر سے محروم ہے۔ البتہ اس کے پاس ٹھوس

اور متزلزل نہ ہونے والے ایمان باللہ کا سرمایہ ضرور موجود ہے۔ دوسری طرف کمیونزم کے محاذ کی حالت یہ ہے کہ کمیونسٹ حلقے اپنے کارکنوں اور ایجنٹوں کو ہر طرح مال و زر سے نوازتے رہتے ہیں۔ انہیں اسلحہ دیا جاتا ہے، گشتی شفاخانے انہیں مہیا کیے جاتے ہیں، لٹریچر کی بارش کی جاتی ہے اور بہت بڑی تعداد میں تعلیمی وظائف دیے جاتے ہیں۔ کمیونسٹ وزرا اور ذمہ دار حکام اکثر افغانستان آتے رہتے ہیں اور تعلیمی وظائف سے استفادہ کرنے والے نوجوانوں کو خود منتخب کرتے ہیں۔ ان نازک اور کٹھن حالات میں اسلامی تحریک کے کارکن انتہائی جذبۂ قربانی اور فداکاری کے ساتھ قافلۂ دعوت کو لیے بڑھ رہے ہیں۔ موجودہ انقلاب سے پہلے اسلامی تحریک بارہا آزمائشوں میں مبتلا ہوئی اور اللہ کی مدد و توفیق سے ہر بار کامیاب و کامران رہی۔

تحریک کے خلاف پے در پے سازشیں تیار کی گئیں، لیکن ناکام ہوتی رہیں۔ تحریک کے نوجوان متعدد مرتبہ جیلوں میں ڈالے گئے اور وہاں انہیں شدید اذیتیں پہنچائی گئیں۔ برادر گل بدین اور سیف الدین کو قید کیا گیا۔ سید حبیب الرحمان اور مولوی حبیب الرحمان کو پابجولاں کیا گیا۔ محمد کاظم اور ڈاکٹر محمد عمر حوالۂ زنداں ہوئے۔ الغرض اور بھی بہت سے نیک اور راست باز نوجوان اور اہلِ علم موجودہ انقلاب سے پیشتر قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے رہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر اب بھی جیلوں میں ہیں اور ان کے ساتھ سینکڑوں ان کے حامی بھی دار و گیر کا نشانہ بن چکے ہیں۔ کچھ افراد ظلم و تشدّد کا بے پناہ دور دورہ دیکھ کر ملک سے ہجرت کر گئے ہیں۔ مجملاً یہ کہ اسلامی تحریک ان دنوں جن مشکلات و مصائب کے نرغے میں ہے وہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ شدید اور سنگین ہیں۔ تحریک کے ارکان کا ملک کے گوشے گوشے میں تعاقب کیا جا رہا ہے۔ تعلیم سے محروم کیے جا رہے ہیں۔ مدرسوں اور کالجوں سے ان کو نکالا جا رہا ہے۔ اور جو لوگ سرکاری ملازمتوں میں تھے انہیں چن چن کر وہاں سے نکالا جا رہا ہے۔ جیل اور تعذیب روزانہ کا وتیرہ بن چکا ہے۔ غلام ربّانی صاحب جو ایک سکول میں استاد تھے انہیں اس بنا پر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا کہ انہوں نے میلاد النبیؐ کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کے موضوع پر ایک تقریب میں تقریر کی تھی۔ ایک اور نوجوان گل محمد کو بھی اس لیے ملازمت سے چھٹی دے دی گئی کہ اُس نے علی الاعلان کہا تھا کہ "اسلام مذہب بھی ہے اور ریاست بھی"۔ سیّد نور اللہ کو جو ایک سکول میں مدرس تھے اسکول سے نکال دیا گیا۔ اور اس کے بعد انہیں دو سال قید با مشقت کی سزا اس جرم میں دی گئی کہ انہوں نے رمضان المبارک میں ختم قرآن شریف کی رات کو مسجد میں تقریر کی تھی اور اس میں یہ کہا تھا کہ "مسلمان کا اخلاق یہ ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں رکھتا"۔ ایسے نوجوانوں

کی ایک طویل فہرست ہے جو تعلیم گاہوں سے اس جرم کی پاداش میں خارج کر دیے گئے ہیں کہ ان کا اسلامی تحریک سے رشتہ تھا اور وہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور سید قطب شہید کی کتابیں جمع کرتے اور پڑھتے تھے۔

موجودہ ظالمانہ حکومت نے ابتدائی اسکولوں کے ننھے طلبہ پر بھی رحم نہیں کیا۔ چنانچہ ضلع بل خمری سے ایسے بارہ طلبہ کو گرفتار کیا گیا اور انہیں سنٹرل جیل میں بند کر دیا گیا جہاں صرف ان قیدیوں کو رکھا جاتا ہے جو جرائم پیشہ ہوتے ہیں اور جنہیں دس سال سے زیادہ عرصہ کی سزا دی جاتی ہے۔ اسی طرح لغمان کے علاقے سے بھی ایک پرائمری اسکول کے بچے پکڑ لیے گئے اور سنٹرل جیل میں محبوس کر دیے گئے۔ ان بچوں کی عمریں دس اور گیارہ سال کے درمیان ہیں۔

تحریک کے نوجوانوں اور حامیوں کے ساتھ جیلوں میں انتہائی بدسلوکی اور تشدّد و تعذیب کا رویہ برتا جا رہا ہے۔ انہیں جس طرح کا عذاب دیا جا رہا ہے اُس کی ہلکی سی مثال یہ ہے کہ مجبور نظر بندوں کے ناخنوں میں کیلیں چبھوئی جاتی ہیں، پیٹوں میں ہوا بھر دی جاتی ہے، بے عزتی کی جاتی ہے، جسم کے بعض اعضا کاٹ دیے جاتے ہیں، برقی رو کے ذریعے اذیت دی جاتی ہے، اور اس قصے کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ حکومت اسلامی تحریک کے لوگوں کے ساتھ ان جرائم کا ارتکاب کر رہی ہے اور پھر انہیں پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ ایسی کوئی خبر بیرونی دنیا کو معلوم نہ ہو۔ افغان پولیس جب کسی نوجوان کو گرفتار کرنا چاہتی ہے تو دن کے وقت اُسے گرفتار نہیں کرتی بلکہ عین نصف شب کو پولیس کے جلاد گھروں پر حملہ کرتے ہیں جب کہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔ اور پھر جسے چاہتے ہیں اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔

اسلامی تحریک نے یہ تمام صعوبتیں اور آزمائشیں بڑے صبر اور دل گردے کے ساتھ برداشت کی ہیں۔ اور انقلابی حکومت تحریک کو کچلنے اور نیست و نابود کرنے کے لیے جو مواقع تلاش کر رہی ہے تحریک نے اُسے فراہم نہیں کیے۔ لیکن افغانستان کا صدر جب جون ۱۹۷۴ء میں روس کا دورہ کر کے واپس آیا تو اُس نے آتے ہی اسلامی تحریک کا ناطقہ بند کرنا شروع کر دیا اور اسے کلیۃً کچل دینے کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ اسے دورۂ روس سے واپس آئے ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ اُس نے تحریک کے دو سو نمایاں اور فعّال رہنماؤں کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیے۔ ان میں شریعت کالج کے سابق پرنسپل اور کالج کے شعبۂ حدیث کے موجودہ ڈین پروفیسر غلام محمد کے علاوہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور دینی مدارس کے معلّمین کی بہت بڑی تعداد شامل ہے۔ کابل یونیورسٹی اور کالجوں کے طلبہ بھی سینکڑوں کی تعداد میں پکڑ لیے گئے۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ صرف کابل

میں جو نمایاں اصحاب گرفتار کیے گئے ان کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ دوسرے صوبوں میں پکڑ دھکڑ کا جو خونیں ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے اُس کی خبریں بہت کم مل رہی ہیں۔ صرف تحریک کے ارکان ہی نہیں پکڑے جا رہے ہیں بلکہ جو اُن سے ملاقات کرتا ہے اُسے بھی پکڑ لیا جاتا ہے۔ ایسے افراد بھی گرفتار کر لیے گئے جو تحریک کے گرفتار شدہ لوگوں کے گھروں کے پاس سے گذرتے ہوئے دیکھ لیے گئے۔

حکومت افغانستان کی ان ظالمانہ کارروائیوں کی وجہ سے ملک اب ایک آتش فشاں کے دہانے پر پہنچ گیا ہے۔ عوام الناس کے اندر حکومت کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت نے اپنے آپ کو عوام کے انتقام سے بچانے کے لیے روسی ہوا بازوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ یہ روسی ہوا باز ضرورت پیش آنے پر اس امر سے بھی باز نہیں آئیں گے کہ بے گناہ لوگوں کے گھروں اور بستیوں پر بھی بمباری کر دیں اور عورتوں، بوڑھوں اور بچوں تک کو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ مقتدر گروہ کے پاس اب ٹینکوں، توپوں، ہوائی جہازوں اور روسی ماہرین کے سوا کوئی بھروسے کی بنیاد باقی نہیں رہی ہے۔ افغان فوج بھی حالات سے سخت کبیدہ ہے اور نجات پانے کے وقت کے انتظار میں ہے۔ لیکن روس کا نظام جاسوسی افغان فوج کی تمام حرکات و سکنات کی کڑی نگرانی کر رہا ہے۔ جب سے موجودہ گروہ فوجی انقلاب کے بل بوتے پر برسر اقتدار آیا ہے کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا جب فوج کے اچھے اچھے افسروں کی بھاری بھرکم تعداد کو گرفتار نہ کیا جاتا ہو۔ دو مرتبہ ایسا بھی ہو چکا ہے کہ فوج کے متعدد افسران کو اسلامی تحریک سے تعلق رکھنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ سردار داؤد خاں نے دورۂ ماسکو کے بعد فوج کی تطہیر کی جو تحریک چلائی ہے اُس میں آج تک سینکڑوں فوجیوں کو اسلامی تحریک سے محبّت یا محض اسلام سے لگن کی پاداش میں نظر بند کیا جا چکا ہے۔

یہ مظالم رازداری کے کثیف پردے کے نیچے سرانجام دیے جا رہے ہیں۔ افغانستان کے اندر اور افغانستان کے باہر اصل حقائق کو چھپایا جا رہا ہے۔ حکومت کے پروپگنڈے کے ناقوس ان واقعات کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے، گویا کہ کچھ ہوا تک نہیں ہے۔ افغان عوام موجودہ فاسد اور مخرّب نظام کے خلاف غصّے کی آگ میں جل رہے ہیں، لیکن بے بس ہیں اور مسلّح تشدّد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حکومت کی پوری مشینری جاسوسی کے نظام میں تبدیل ہو چکی ہے۔ بلکہ مرکزی ادارۂ جاسوسی کا نفوذ اور تسلّط اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ ملک کا پورا بجٹ وہی ہضم کیے جا رہا ہے۔ وزارت داخلہ کے تحت بھی جاسوسی کا بھاری بھرکم نظام موجود ہے اور اس کے ساتھ وزارت مواصلات نے الگ جاسوسی کا نظام جاری کر رکھا ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس کی تمام کار روسی ماہرین کے

ہاتھ میں ہے اور وہ الگ مستقل ریاست کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ یہاں تک کہ ہر کمیونسٹ وزیر نے اپنا جدا گانہ جاسوسی نظام قائم کر رکھا ہے۔ ان تمام اداروں پر ایک غریب اور مسکین قوم کے خزانے سے بڑی فراخدلی کے ساتھ روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف تمام وزارتیں استحصال اور فساد کے گڑھ بن چکی ہیں۔ علی الخصوص وزارتِ داخلہ، وزارتِ تعلیم، وزارتِ زراعت اور وزارتِ مالیات اس میں پیش پیش ہیں۔ نظم و نسق کی حالت نہایت ابتر ہو چکی ہے اور حکومت کا کوئی ادارہ بھی اب کار آمد نہیں رہا ہے۔ تمام سرکاری دفاتر میں رشوت وبائے عام کی طرح پھیل چکی ہے۔ اگر کوئی شہری کسی سرکاری ملازم کی چیرہ دستی پر اعتراض کرتا ہے تو اُسے بلا تاخیر گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور اُس مسکین کے رشتہ دار یہ تک نہیں پوچھ سکتے کہ وہ کہاں ہے اور کس حالت میں ہے۔

افغانستان کا صدر یہ یقین رکھتا ہے کہ لوگ اُسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اسے خوب معلوم ہے کہ لوگ اسے کمیونسٹ سمجھتے ہیں، لیکن وہ بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ بار بار اعلان کرتا رہتا ہے کہ وہ پکا مسلمان ہے گویا وہ اللہ اور اہل ایمان کو فریب دینا چاہتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت وہ اپنے آپ کو خود دجل و فریب کا شکار کر رہا ہے۔ کئی مرتبہ وہ آپ ہی اپنی تکذیب کر چکا ہے۔ ایک مرتبہ اسے پولی ٹکنیک کالج سے فارغ ہونے والوں کا ایک گروہ ملا۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ان میں اسلامی تحریک سے دلچسپی رکھنے والے نوجوان بھی ہیں تو ان سے کہنے لگا کہ اس کا کسی تحریک سے (اشارہ کمیونسٹ تحریک کی جانب تھا) کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُس کا عقیدہ اور نظریہ وہی ہے جو افغان عوام کی اکثریت کا عقیدہ اور نظریہ ہے۔ اس ملاقات کے چند روز بعد اُسے اسکاؤٹس کا ایک گروپ ملا۔ ان میں کمیونسٹ بھی تھے اس لیے اُن لوگوں سے کہنے لگا کہ اسلامی نظریات پر ایمان لانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ البتہ اس ملک کے لوگوں کو بیوقوف بنانا نہایت ضروری ہے۔ صدر افغانستان جب عوامی دباؤ کی شدّت محسوس کرتا ہے تو اپنے مسلمان ہونے کے دعوے کرنے لگتا ہے اور جب حالات میں کچھ سکون پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اپنی گمراہی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اس شخص کا رویہ بہت حد تک ابتدائی دورِ اسلام کے منافقین کی روش سے مشابہت رکھتا ہے۔ اگر مشائخ یا قبائلی سرداروں سے ملے گا تو ایمان اور اسلام کی راگنی الاپنے لگے گا، اور جب خلوت میں اپنے ہم نوالہ و ہم پیالہ کمیونسٹوں سے ملے گا تو اسلام کے خاتمے کی اسکیمیں بنائے گا۔

سردار داؤد خان اور اس کے کمیونسٹ رفقا اپنے راستے کا واحد روڑا اسلامی تحریک کو سمجھتے ہیں

افغانستان میں اشتراکی نظریات کو نافذ کرنے کی راہ میں حائل ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماسکو سے آتے ہی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اسلامی تحریک کو کچلنے کا پروگرام شروع کر دیا۔ اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ افغانستان کی اسلامی تحریک اس وقت موت و زیست کی جنگ لڑ رہی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ افغانستان مشرق کے اسلامی ممالک کے لیے سُرخ خطرے کے مقابلے میں پہلی دفاعی لائن ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس اسلامی ملک کی اہمیّت و نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہیں، اور نیز وہ تمام حضرات جن کو اس بات کی فکر ہے کہ اشتراکی نفوذ اور روسی استعمار افغان قوم کے اسلامی وجود کے لیے شدید خطرہ بن چکے ہیں اور جو یہ احساس رکھتے ہیں کہ افغانستان کے اندر اشتراکیّت کا غلبہ و تسلّط ہمسایہ ممالک کے لیے کیا کیا خطرات پیدا کر سکتا ہے ـــــ اُن سب حضرات سے افغانستان کی اسلامی تحریک یہ اپیل کرتی ہے کہ وہ اس ملک کے مسئلے سے دلچسپی لیں اور افغانستان کے نہتے مسلمانوں کو حالات کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دیں۔

(بقیّہ فیصل)

غیر معمولی محبت ہے۔ اور ان کے دل میں اسے ہر لحاظ سے مضبوط کرنے کی بڑی خواہش ہے۔ اگر پاکستان کے ذمہ دار حکّام آکر فیصل کو یہ کہیں کہ سلطنتِ خدا داد پاکستان دشمنوں کے نرغے میں ہے اور آپ اسے بچائیں تو یقیناً فیصل پاکستان کو سعودی عرب کا ایک حصّہ سمجھ کر ہر تدبیر سے بچانے کی کوشش کریں گے۔" حقیقت یہ ہے کہ فیصل کے آخری ایّام اس طرح گذرے ہیں کہ گویا دنیا بھر کے مسلمانوں کا درد اُن کے دل میں تھا۔ اور جہاں کہیں کوئی مسلمان مبتلائے آلام ہوتا ان کی رُوح بھی بے چین و مضطرب ہو جاتی۔ ایسے شخص کا دنیا سے اُٹھ جانا فرد کی نہیں ملت کی موت ہے۔

ما کان قیس هلکه هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

(قیس کی موت ایک فرد کی موت نہیں ہے۔ وہ قوم کی دیوار تھا جو گر گئی)